اور جمع کی صورت میں سنتیں معاف ہیں۔ مغرب کی اور فجر کی سنتیں حدیث میں آیا ہے پڑھنی چاہئیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۶ شوال ۱۳۵۶ھ

اذان کا بیان

کیا ایک اذان دو مرتبہ کہنا جائز ہے؟

سوال : صبح کی اذان لاؤڈ سپیکر پر کہنے کا خیال تھا لیکن وہ چل نہ سکا۔ اور اذان بغیر لاؤڈ سپیکر کے کہہ دی گئی۔ چند منٹ بعد لاؤڈ سپیکر درست ہو گیا تو دوبارہ وہی اذان لاؤڈ سپیکر پر کہی گئی تاکہ آواز دور تک پہنچ جائے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس طرح دوبارہ اذان کہنے کا ثبوت نہیں۔ اس مسئلہ کی تحقیق فرمائی جائے۔

جواب : اگر پہلے ہمیشہ اذان لاؤڈ سپیکر پر کہی جاتی ہے تو پھر صورت مسئولہ میں دوبارہ لاؤڈ سپیکر پر کہی جا سکتی ہے کیونکہ جو اذان لاؤڈ سپیکر کے بغیر کہی گئی ہے اس کی آواز وہاں تک نہیں پہنچی جہاں تک پہلے لاؤڈ سپیکر کے ساتھ پہنچا کرتی تھی۔ پس وہ اس انتظار میں ہوں گے کہ اذان ہو گی تو سحری بند کریں گے یا فجر کی سنت پڑھیں گے اور نماز فجر کو جائیں گے۔ جب اذان دوبارہ نہ ہوئی تو ان کو دھوکا لگے گا۔ کیونکہ پہلی اذان انہوں نے سنی ہی نہیں۔ اور دھوکے کا دور کرنا شرعاً ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اذان فجر کے وقت سے پہلے کہہ دی تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ یہ اعلان کر دے الا ان العبد قد نام۔ خبردار تحقیق بندہ سو گیا ہے یعنی ابھی فجر نہیں ہوئی۔ میں سونے لگا ہوں یا نیند کی وجہ سے اذان غلطی سے پہلے کہی گئی ہے پس یہاں بھی یہی صورت ہے کہ لوگوں کو دھوکا لگے گا۔ اس لئے دوبارہ کہنی چاہیے۔ اور اگر پہلے اذان لاؤڈ سپیکر پر کہی نہیں جاتی تو پھر کسی کو دھوکا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے دوبارہ اذان کہنے کی ضرورت نہیں۔ پہلی اذان ہی کافی ہے

عبداللہ امرتسری روپڑی

دوہری اذان اور اکہری اقامت

سوال : ایک شخص نے درج ذیل الفاظ کے ساتھ تکبیر کہی۔

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ۔ اشھد ان محمد رسول اللہ۔ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح۔ قد قامت الصلوٰۃ۔ قد قامت الصلوٰۃ۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ۔
یہ تکبیر سن کر لوگوں نے شور مچادیا کہ یہ تکبیر ناقص اور غلط ہے۔ دوہری تکبیر کہنی چاہیئے۔ آپ اس مسئلہ کو حل فرما کر ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث میں شائع فرمادیں تاکہ حقیقت واضح ہوجائے۔

محمد صدیق ٹیچر ہائی سکول سندیلیانوالی براستہ پیر محل ضلع لائل پور

جواب:۔ آپ کے ساتھی نے جو اقامت (تکبیر) کہی وہ بخاری اور مسلم شریف میں ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب الاذان فصل اول میں ہے۔

عن انس قال ذکروا النار والناقوس فذکروا الیھود والنصاری فامر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامۃ قال اسمعیل فذکرتہ لایوب فقال الا الاقامۃ (متفق علیہ)۔

یعنی حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے آگ اور ناقوس کا ذکر کیا۔ پس انہوں نے کہا کہ یہ یہود و نصاریٰ کا کام ہے پس بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان دوہری کہیں اور اقامت (تکبیر) اکہری کہیں۔ اسمٰعیل (راوی) کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ذکر ایوب کے پاس کیا تو اس نے کہا۔ الا الاقامۃ یعنی قدقامت الصلوٰۃ کا لفظ دو مرتبہ ہے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اذان کا حکم آنے سے پہلے صحابہ کرام نے آگ اور ناقوس (وہ لکڑی جو بجائی جاتی ہے) کا ذکر کیا ہے کہ کسی اونچی جگہ آگ جلا کر یا ناقوس بجا کر لوگوں کو اطلاع دی جائے کہ وہ نماز کے لئے آجائیں۔ پھر انہوں نے یہود و نصاریٰ کا ذکر کیا کہ آگ یہود جلاتے ہیں۔ اور ناقوس نصاریٰ بجاتے ہیں ان کی مشابہت ہمارے لئے جائز نہیں۔ اس کے بعد اذان کا حکم آگیا تو بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان دوہری اور اقامت اکہری کہیں مگر اقامت میں قدقامت الصلوٰۃ کا لفظ دو مرتبہ ہے۔ اس کے سوا باقی تکبیر اکہری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اذان کی نسبت اکہری ہے۔ اس لئے اقامت کے شروع میں اللہ اکبر کا لفظ چار مرتبہ کی بجائے دو مرتبہ ہے۔ اور آخر میں اللہ اکبر اللہ اکبر اذان کے موافق ہے۔ یہ اکبر الیعنی ایک مرتبہ نہیں ہوگا۔

دوسری حدیث مشکوٰۃ کے اسی باب فصل ثانی میں حدیث ہے۔

عن ابن عمر قال کان الاذان علی عھد رسول اللہ مرتین مرتین والاقامۃ مرۃ مرۃ غیر انہ کان یقول قد قامت الصلوٰۃ قد قامت الصلوٰۃ۔

رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی)

یعنی عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان دو دو مرتبہ اور تکبیر ایک مرتبہ تھی مگر قد قامت الصلوٰۃ کا لفظ دو مرتبہ۔ اس کو ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے روایت کیا ہے یہ دونوں حدیثیں جو پانچ کتابوں (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، دارمی) کے حوالے سے ذکر ہوئیں۔ اکہری تکبیر کی دلیل ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر کتب میں بھی روایات ہیں۔ اور دوہری تکبیر کی حدیث بخاری و مسلم میں نہیں۔ ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔ جو مشکوٰۃ کے اسی باب میں ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

عن ابی محذورۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم علمہ الاذان تسع عشرۃ کلمۃ والاقامۃ سبع عشرۃ کلمۃ رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی والدارمی وابن ماجۃ۔

حضرت ابومحذورہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اذان کے انیس کلمے سکھائے۔ اور اقامت کے سترہ کلمے سکھائے۔

اور اذان کے انیس کلموں کی تشریح ابومحذورہ کی ہی روایت سے مسلم شریف میں یوں موجود ہے۔

عن ابی محذورۃ قال القیٰ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التاذین بنفسہ فقال قل اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ اشھد ان محمداً رسول اللہ۔ اشھد ان محمداً رسول اللہ ثم تعود فتقول اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ اشھد ان محمداً رسول اللہ۔ اشھد ان محمداً رسول اللہ حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ۔ حی علی الفلاح۔ حی علی الفلاح۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ (رواہ مسلم)

ابومحذورہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنفس نفیس مجھے اذان سکھائی۔ پس فرمایا اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر (چار مرتبہ) اشھد ان لا الہ الا اللہ (دو مرتبہ) اشھد ان محمداً رسول اللہ (دو مرتبہ) دوبارہ پھر اسی طرح شہادت کے کلمات دو دو مرتبہ۔ حی علی الصلوٰۃ دو مرتبہ۔ حی علی الفلاح دو مرتبہ۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ دو مرتبہ۔ لا الہ الا اللہ۔ ایک مرتبہ۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان کے انیس کلمے ترجیع کے ساتھ پورے ہوتے ہیں۔ یعنی کلمہ شہادت اور رسالت لوٹا کر پھر دو دفعہ کہا جائے اور آواز پہلی دفعہ آہستہ ہو اور دوسری دفعہ بلند ہو۔

دوسری حدیث میں اس کی زیادہ وضاحت ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

وعنه قال قلت یارسول اللہ علمنی سنۃ الاذان قال فمسح مقدم راسہ قال تقول اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر ترفع بہا صوتک ثم تقول اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ تخفض بہا صوتک ثم ترفع صوتک بالشہادۃ اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ اشہد ان محمد رسول اللہ۔ اشہد ان محمد رسول اللہ حی علی الصلوۃ۔ حی علی الصلوۃ۔ حی علی الفلاح۔ حی علی الفلاح فان کان صلوۃ الصبح قلت الصلوۃ خیر من النوم۔ الصلوۃ خیر من النوم۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔ (رواہ ابوداؤد)

ابومحذورہؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اذان کا طریقہ سکھایئے ابومحذورہؓ فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر (چار دفعہ) بلند آواز سے کہو پھر اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ دو مرتبہ اشہد ان محمد رسول اللہ۔ اشہد ان محمد رسول اللہ دو مرتبہ ان دونوں کلموں کے ساتھ آواز کو پست کرو۔ پھر شہادت کے ساتھ اپنی آواز کو بلند کرو۔ اور کہو اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ دو مرتبہ۔ اشہد ان محمد رسول اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ۔ دو مرتبہ۔ حی علی الصلوۃ۔ حی علی الصلوۃ۔ دو مرتبہ۔ حی علی الفلاح۔ حی علی الفلاح۔ دو مرتبہ۔ اور اگر صبح کی نماز ہو تو اس میں کہو۔ الصلوۃ خیر من النوم۔ دو مرتبہ۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ دو مرتبہ۔ لا الہ الا اللہ۔ ایک مرتبہ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا۔

اس حدیث سے اذان کے انیس کلمات کی وضاحت ہو گئی۔ اور کہنے کا طریقہ بھی بتلا دیا۔ حنفیہ کی حالت کیسی عجیب ہے۔ وہ ابی محذورہ کی حدیث سے اقامت کے سترہ کلمات تو مانتے ہیں۔ لیکن انیس کلمات اذان کے نہیں مانتے اور اکہری تکبیر کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بخاری مسلم میں ہے۔ اور وہ دوہری تکبیر بخاری مسلم میں نہیں۔ دوسری کتابوں میں ہے۔ ساری امت اس پر متفق ہے کہ بخاری مسلم کی احادیث مقدم

ہیں۔ لیکن کس قدر تعجب ہے کہ بخاری مسلم حدیث کا انکار اور غیر بخاری مسلم کا اقرار کیا جا رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر ملاحظہ فرمائیے کہ حنفیہ ابی محذورہ رضؓ کی حدیث کا ایک حصہ یعنی اقامت (تکبیر) کے سترہ کلمات مانتے ہیں۔ اور اسی حدیث میں اذان کے انیس کلمات ہیں اُن کا انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت بلال رضؓ کی حدیث کا ایک حصہ (اذان) مانتے ہیں لیکن اسی حدیث کے دوسرے حصے یعنی اکہری تکبیر کو نہیں مانتے۔ یہ لوگ ایسا بہت کرتے ہیں۔ ہم نے ایک مستقل کتاب آمین رفع الیدین لکھی ہے۔ اس میں یہ مسئلہ بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ تقلید کے دائرہ میں قرآن و حدیث پر عمل نہیں ہو سکتا۔ ہم نے اس کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔ کیونکہ جب امام کا قول خلافِ حدیث آجاتا ہے تو وہاں تقلید رہے گی یا قرآن و حدیث۔

نوٹ :۔ جن لوگوں نے اکہری اقامت پر اعتراض کیا ہے۔ ان کو زیادہ تسکین کے لئے شاہ جیلانی کی کتاب غنیۃ الطالبین سے اکہری اقامت کا ثبوت پیش خدمت ہے۔

شاہ جیلانی رحؒ کی اصل عبارت حسب ذیل ہے۔

ثم یقیم فیقول اللّٰہ اکبر۔ اللّٰہ اکبر۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ۔ اشھد ان محمّد رسول اللّٰہ۔ حی علی الصلوۃ۔ حی علی الفلاح اللّٰہ اکبر۔ اللّٰہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللّٰہ

پھر اقامت کہے پس کہے آخر تک۔ (غنیۃ الطالبین صہ مطبوعہ مطبع صدیقی)

شیخ جیلانی رحؒ نے تکبیر اکہری لکھی ہے۔ اگر یہ تکبیر غلط اور ناقص ہے اور اس سے نماز ناقص ہوتی ہے، تو حضرت شاہ جیلانی رحؒ اور اُن کی نماز کے متعلق کیا حکم ہوگا؟

جو لوگ حضرت شاہ جیلانی سے محبت و عقیدت کی حد سے زیادہ دعوے کرتے ہیں کیا وہ اس پر غور کریں گے؟ اللہ تعالےٰ ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

(حافظ عبد اللہ امرتسری روپڑی)

جُمعہ کی پہلی اذان کا شرعی کیا حکم ہے

سوال :۔ جمعہ کی نماز کے لئے دو اذانیں کہی جاتی ہیں۔ پہلی اذان کا شرعی کیا حکم ہے؟

جواب :۔ حدیث میں صحابہؓ کی بابت آیا ہے۔

ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللّٰہ حسن و ما راٰہ المسلمون قبیحا فھو

عند اللہ قبیح۔

یعنی جس شے کو مسلمان حسن دیکھیں وہ حسن ہے جس کو بری سمجھیں وہ بری ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ نے جس کام کو اچھا سمجھا وہ خدا کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ اور پہلی اذان حضرت عثمان کی جاری کی ہوئی ہے۔ اور آن کی حیات میں اور بعد میں اس پر عمل درآمد رہا۔

فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۳۲۴ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ اذان سب شہروں میں جاری ہو گئی۔ صرف فاکہانی نے اتنا ذکر کیا ہے کہ مکہ میں حجاج نے جاری کی ہے۔ اور بصرہ میں زیاد نے۔ پھر صاحب فتح الباری لکھتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ ادنیٰ اہل مغرب اس وقت ایک ہی اذان دیتے ہیں۔ اور عبداللہ بن عمر سے صاحب فتح الباری نے بدعت ہونا نقل کیا ہے۔ پھر کہا ہے عبداللہ بن عمر کے قول میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ بدعت کہنے سے ان کا مقصود انکار ہو یعنی یہ اذان درست نہیں۔ دوسرا یہ کہ انکار مقصود نہ ہو بلکہ یہ مقصود ہو کہ حضورؐ کے زمانہ میں نہ تھی۔ جیسے مروجہ طریق تراویح کو حضرت عمرؓ نے بدعت کہا ہے۔ حالانکہ شرعاً وہ سنت ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ما راٰہ المسلمون حسنا حدیث کے تحت عثمانی اذان درست ہے کیونکہ اس وقت قریباً سب شہروں میں جاری ہو گئی ہے الا ماشاء اللہ اگرچہ مدینہ میں اسکی ابتدا حاجت کے وقت ہوئی ہے مگر سب شہروں میں پھیلنا اس کا دلالت کرتا ہے کہ آخر لوگوں کی کمی بیشی ضروری نہیں سمجھی گئی پس ثابت ہوا کہ اب بھی یہ اذان درست ہے خواہ کم ہوں یا زیادہ۔ ہاں ضروری نہیں اگر کوئی نہ دینی چاہے تو نہ دے۔ مگر دینے والے پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ بلند جگہ بازار میں دینی چاہیے۔ کیونکہ حضرت عثمان نے ایسی جگہ دی تھی تو یہ ٹھیک نہیں۔ اذان سے مقصود اعلام ہے۔ یعنی لوگوں کو بذریعہ ترجیہ اعلان ہے۔ اس میں بازار یا کسی جگہ کی خصوصیت کو کوئی دخل نہیں۔ مدینہ شریف میں بازار مسجد کے ساتھ تھا اس میں حضرت عثمان نے موزوں جگہ پیدا کی۔ اسی طرح ہر شہر کی جامع مسجد میں موزوں جگہ دیکھ لینی چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

جمعہ کی دُوسری اذان کس جگہ کہی جائے

سوال :۔ کیا خطبہ جمعہ کی اذان خطیب کے سامنے کہنی چاہیئے؟

جواب :۔ اذان سے مقصود اعلان ہے۔ خواہ اذان پہلی ہو یا خطبہ کی۔ پس جو جگہ اعلان کے زیادہ مناسب ہے وہاں ہونی چاہیئے۔ اگر امام کے سامنے موزوں جگہ ہو تو سامنے دی جائے ورنہ کوئی اور موزوں جگہ دیکھ

لی جائے خواہ مسجد کے اندر ہو یا باہر، اور خواہ دائیں طرف ہو یا بائیں طرف مسجد نبوی میں سامنے موزوں جگہ تھی اس لئے سامنے ہوتی تھی، جگہ کی تعیین کو اذان میں داخل کرنا اذان کی منشاء کے خلاف ہے، اسی طرح کوئی کہنے والا کہہ دے گا کہ تم نے امام کے سامنے ہونے کی شرط کی ہے ہم یہ شرط کرتے ہیں کہ مسجد کے دروازے پر ہو۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ میں مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی اگر مسجد کا دروازہ سامنے نہ ہو تو اس صورت میں مشکل پڑے گی۔ ایک اور اٹھے گا اور کہے گا کہ منارے پر ہونی چاہیے کیونکہ امام مالک سے روایت ہے انه فی زمنه صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن بین یدیه بل علی المنارۃ۔ آپ کے زمانے میں اذان آپ کے سامنے نہ تھی بلکہ منارہ پر تھی۔ امام مالک کی مراد سامنے سے نفی کرنے سے یہ ہے کہ مسجد کے اندر نہ تھی جو عام طور پر نماز پڑھنے کی جگہ ہے، اور نہ دوسری روایتوں میں سامنے ہونے کی تصریح ہے تو حاصل یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کا دروازہ سامنے تھا اور وہیں منارتھا۔ اس پر اذان ہوتی تھی تو اب کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اذان کے لئے یہ تینوں شرائط ضروری ہیں، سامنے بھی ہو۔ دروازہ پر بھی ہو۔ اور منارہ پر بھی ہو۔ ایک اور اٹھے گا۔ اور وہ اس سے بھی زیادہ تنگی کرتا ہوا کہہ دے گا کہ ان باتوں کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منبر سے جتنے فاصلہ پر اذان ہوتی تھی اتنے ہی فاصلہ پر اب بھی ہونی چاہیئے، مثلاً منبر ایسی جگہ بچھایا جائے کہ فاصلہ اس سے کم و بیش نہ ہو۔ بلکہ کوئی منار کی بلندی کے اندازہ کی بھی پابندی کرنے لگ جائے گا۔ غرض اس طرح سے خصوصیتیں پیدا کرنی شروع کر دیں تو احکام میں بہت تنگی ہو جائے گی بلکہ ان پر عمل کرنا بھی ناممکن ہو جائے گا، اس لئے ضروری ہے کہ ہر حکم کے حسب حال کوئی خصوصیت ہو۔ اذان سے مقصود جب اعلان ہے تو خصوصیت جگہ کی کس طرح سمجھ لی جائے۔ ہاں مسجد کے متعلقات میں ہونی ضروری ہے تاکہ لوگ اس طرف آئیں۔ اور اونچی جگہ بھی اس کے حسب حال ہے۔ کیونکہ آواز دور جاتی ہے، اسی بناء پر امام ابن الحاج مالکیؒ مدخل میں لکھتے ہیں۔

ان السنة فی اذان الجمعة اذا صعد الامام علی المنبران یکون المؤذن علی المنار۔

یعنی مسنون طریقہ اذان جمعہ میں یہ ہے کہ جب امام منبر پر چڑھے تو مؤذن منار پر ہو۔

اس عبارت میں دو خصوصیتیں ذکر کی ہیں، ایک منار پر ہونا۔ ایک امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت ہونا اس طرح مؤذن کا بلند آواز ہونا یا خوش آواز ہونا وغیرہ۔

اس قسم کی تمام خصوصیات اذان کے حسب حال ہیں۔ اگرچہ واجبات نہیں مگر کسی نہ کسی طریق سے اذان کے لئے مفید شے ہے۔ لیکن امام کے سامنے ہونا اور دروازہ پر ہونا یا دائیں بائیں ہونا یا اتنے فاصلہ پر ہونا یا اندر ہونا یہ تو کوئی ایسی اشیا نہیں جو اذان کے حسب حال ہوں۔ تو پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ یہ شرع میں معتبر ہیں۔ دیکھئے حج خاص کر مواضع سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ اس میں ہوتا ہی یہ ہے کہ کسی جگہ گزرنا اور کسی جگہ ٹھہرنا اور کسی جگہ دوڑنا کسی جگہ چکر کاٹنا۔ کسی جگہ کچھ پڑھنا وغیرہ۔ اس میں اپنے وطن کو واپسی کے وقت محصّب[1] وغیرہ کے نزول میں صحابہ کا اختلاف ہے تو اذان وغیرہ جس کو جگہ سے تعلق نہیں کس طرح فیصلہ ہو سکتا ہے کہ اندر ہے یا باہر۔ آگے ہے یا دائیں بائیں وغیرہ بسا اوقات عمارت کی رو سے ایک جگہ موزوں ہوتی ہے۔ دوسری جگہ ہیں دوسری پس صرف مسجد نبوی کے سامنے ہونے سے یہ مراد لینا کہ سب جگہ ایسا ہی چاہیئے ڈبل غلطی ہے اور اسرار حکم شرعیہ سے کوسوں دور ہے۔

(عبد اللہ امرتسری روپڑی)

جمعہ کی دو اذان پر تعاقب اور اُس کا جواب

سوال :۔ جمعہ کے دن دو اذان کہنی جائز ہے یا نہیں؟ بعض کا خیال ہے کہ دو اذان کہنے سے جمعہ باطل ہو جاتا ہے۔ (سائل دوست محمد منڈل)

جواب :۔ حدیث میں صحابہ رضؓ کی بابت آیا ہے۔

ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن وما راٰہ المسلمون قبیحا فھو عند اللہ قبیح۔

یعنی جس شے کو مسلمان حسن دیکھیں وہ حسن ہے اور جس کو برا جانیں وہ بری ہے۔

یہ حدیث پوری تفصیل کے ساتھ ہمارے رسالہ ردّ بدعات ص۴۴ میں درج ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپسی کے وقت منیٰ کے پاس مقام محصب جس کو ابطح وغیرہ بھی کہتے ہیں میں اُترے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اترنا تشریف مخصوص نہیں۔ حضور کو مدینہ کی طرف لوٹنے میں آسانی تھی اس لئے اُترے تھے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں۔ اس میں اترنا سنت ہے۔ (مشکوٰۃ باب خطبہ یوم النحر)

نے جس کام کو اچھا سمجھا وہ خدا کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ اور پہلی اذان حضرت عثمان کی جاری کی ہوئی ہے اور اُن کی حیات میں اور بعد اس پر عملدرآمد رہا۔ اور فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۳۹۴ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ اذان سب شہروں میں جاری ہوگئی۔ صرف فاکہانی نے اتنا ذکر کیا ہے کہ مکہ میں حجاج نے جاری کی ہے۔ اور بصرہ میں زیاد نے۔ پھر صاحب فتح الباری لکھتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ اہلِ مغرب اس وقت ایک ہی اذان دیتے ہیں۔ اور عبداللہ بن عمرؓ سے صاحب فتح الباری نے بدعت ہونا نقل کیا ہے۔ پھر کہا ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کے قول میں دو احتمال ہیں۔

ایک یہ کہ بدعت کہنے سے اُن کا مقصود انکار ہو یعنی یہ اذان درست نہیں۔

دوسرا یہ کہ انکار مقصود نہ ہو بلکہ یہ مقصود ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ نہ تھی جیسے مروجہ طریق تراویح کو حضرت عمرؓ نے بدعت کہا ہے حالانکہ شرعاً وہ سنت ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ما راٰہ المسلمون حسنا حدیث کے ماتحت عثمانی اذان درست ہے۔ کیونکہ اس وقت قریباً سب شہروں میں جاری ہوگئی ہے۔ الا ماشاءاللہ۔ اگرچہ ابتداء اس کی لوگوں کی کثرت کی وجہ سے تھی مگر سب شہروں میں اس کا پھیلنا دلالت کرتا ہے کہ آخر لوگوں کی کمی بیشی ضروری نہیں سمجھی گئی۔ پس ثابت ہوا کہ اب بھی یہ اذان درست ہے۔ خواہ کم ہوں یا زیادہ۔ ہاں ضروری نہیں۔ اگر کوئی نہ دینی چاہے نہ دے۔ مگر دینے والے پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ اور بعض لوگ جو کہتے ہیں کہ بلند جگہ بازار میں دینی چاہیئے۔ کیونکہ حضرت عثمان نے ایسی جگہ بھی دی تھی تو یہ ٹھیک نہیں۔ اذان سے مقصود اعلان ہے۔ یعنی لوگوں کو بذریعہ توحید اعلان ہے۔ اس میں بازار یا کسی جگہ کی خصوصیت کو کوئی دخل نہیں۔ مدینہ شریف میں بازار مسجد کے ساتھ تھا۔ اس میں حضرت عثمان رضہ نے موزوں جگہ پر دلوادی۔ اسی طرح ہر شہر کی جامع مسجد میں موزوں جگہ دیکھ لینی چاہیے۔

مولانا محمد جونا گڑھی نے اس اذان کو بدعت قرار دیتے ہوئے لکھا ہے :-

کہ حضورؐ کا زمانہ اور آپ کے بعد کے دو خلیفوں کے زمانہ میں تو اس دوسری اذان کا وجود ہی نہ تھا۔ ہاں حضرت عثمان کے زمانہ میں ایجاد ہوئی جو وقت معلوم کرانے کے لئے زوراء میں بازار کی بلند جگہ کہلوائی جاتی تھی نہ کہ مسجد میں۔ پس ہمارے زمانہ میں مسجد میں جو دو اذانیں جمعہ کے لئے ہوتی ہیں۔ صریح بدعت ہے۔ کسی طرح جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

(مدرسہ محمدیہ دہلی)

تعاقب۔ ہم بدعت نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اذان سے مقصود اعلان ہے۔ خصوصیت موضع کا ذکر خدا

جانے شرع میں معتبر ہے یا نہیں۔ خاص کر یہ جو مواضع سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں اپنے وطن کو واپسی کے وقت محصب وغیرہ کے نزول میں صحابہ کا اختلاف ہے تو اذان وغیرہ جس کو موضع سے تعلق نہیں کس طرح فیصلہ ہو سکتا ہے کہ اندر ہے یا باہر۔ بسا اوقات مخصوص اوقات کی رو سے ایک جگہ میں ایک جگہ موزوں ہوتی ہے۔ دوسری جگہ میں دوسری۔ اس لئے بدعت کی جرأت ذرا مشکل ہے۔

اگر کہا جائے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مسجد نبوی میں بہت لوگ ہو گئے تھے۔ اس لئے دوسری اذان دلوائی تھی۔ اب لوگ تھوڑے ہوں تو بھی دلوا دیتے ہیں۔ پس یہ بدعت ہوئی۔

جواب اس کا یہ ہے کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں عام شہروں میں جاری ہو گئی اور اس پر صحابہؓ نے انکار نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ مدینہ میں اس کی ابتداء اگرچہ بہتات کے وقت ہوئی ہے مگر پھر یہ شرط نہیں رہی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ساتویں سال سنہ ہجری کے عمرۃ القضاء کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ جیسے بیت اللہ کا طواف کرنے کے وقت پہلے تین پھیرے زور دار طاقت کے ساتھ چلیں۔ اور باقی چار پھیرے درمیانی چال چلیں۔ اور یہ حکم اس لئے دیا کہ کافروں کو اپنی قوت دکھائیں کیونکہ کافروں نے مشہور کر رکھا تھا کہ مدینہ کے بخار نے ان لوگوں کو کمزور کر دیا ہے۔ اب یہ وجہ نہیں رہی۔ لیکن حکم باقی ہے۔ ٹھیک اسی طرح اذان کی ابتداء بھی بے شک بہتات کی وجہ سے ہوئی لیکن پھر بھی بہتات کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ پس اب قلت و کثرت دونوں صورتوں میں درست ہے۔ اگر ناجائز ہوتی تو دوسرے شہروں میں عام طور پر جاری ہونے پر صحابہ انکار کرتے۔ مگر انہوں نے انکار نہیں کیا۔ اور صحابہ کی بابت حدیث "ما راٰه المسلمون حسنا" میں ہے کہ جس کام کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اچھا ہے اور جس کو برا سمجھیں وہ برا ہے۔ پس صحابہؓ نے دوسری اذان پر انکار نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ اللہ کے نزدیک اچھی ہے۔ اور بعض جو عبداللہ بن عمرؓ سے بدعت ہونا ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد انکار نہیں بلکہ یہ ایسا ہے جیسے حضرت عمرؓ نے تراویح کو بدعت کہا ہے۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ شہر ۱۵ شعبان ۱۳۵۲ھ

اذان تولد کی اُجرت

سوال:۔ تولد کے وقت جو اذان کہی جاتی ہے اُس پر اُجرت کیسی ہے۔

جواب:۔ نکاح یا اذان تولد پر اُجرت یہ سلسلہ کچھ ٹھیک معلوم نہیں ہوتا کیونکہ نکاح کے ایجاب و

قبول میں جو ہر شخص کرسکتا ہے۔ خطبہ اور تین آیتیں کسی کو یاد نہ ہوں تو دیکھ کر پڑھ لی جائیں۔ اگر دیکھ کر بھی پڑھنے والا نہ ملے تو ایجاب و قبول ہی کافی ہے۔ اس طرح اذان کے کلمات عموماً یاد ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے اس قسم کی اجرت کے سلسلے اہل اسلام کو جاری نہ کرنے چاہئیں جو خواہ مخواہ زائد خرچ کا موجب ہوں۔ شریعت ایسی فضول رسوں کی روک تھام کے لئے ہے۔ اجراء کے لئے نہیں۔ اس لئے خیر قرون میں ان باتوں کا نام و نشان نہیں پایا جاتا حالانکہ نکاح۔ جنازہ و تولد کا سلسلہ قدیم سے ہے۔

صرف اذان یا امامت پر یا تراویح پر لینا جیسے آج کل عام رواج ہو گیا ہے یہ بالکل درست نہیں کیونکہ یہ اشیاء انسان کو اپنے کاروبار سے مانع نہیں۔ خاص کر جب ہر شخص کو حکم ہے کہ نماز باجماعت پڑھے تو اکثر وقت معین پر وہ مسجد میں ضرور حاضر ہوگا۔ اور اذان میں یا امامت میں یا تراویح وغیرہ میں بھی ایک وقت کی حاضری ہے پس ان پر اجرت کسی صورت درست نہیں خاص کر جب حدیث میں ممانعت بھی وارد ہو۔

منتقی باب النہی عن اخذ الاجرۃ علی الاذان میں ہے۔

عن عثمان بن ابی العاص قال اٰخر ما عھد الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اتخذ موذنا لا یاخذ علی اذانہ اجرا رواہ الخمسۃ۔

یعنی عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ تعالے عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وصیت مجھے یہ کی ہے کہ میں ایسے شخص کو موذن مقرر نہ کروں جو اذان پر اجرت لے۔

نیل الاوطار میں امام شوکانی رح اس پر لکھتے ہیں :-

الحدیث صححہ الحاکم وقال ابن المنذر ثبت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لعثمان بن ابی العاص واتخذ موذنا لا یاخذ علی اذانہ اجرا واخرج ابن حبان عن یحیی البکالی قال سمعت رجلا قال لابن عمر انی احبک فی اللہ فقال لہ ابن عمر انی لابغضک فی اللہ فقال سبحان اللہ احبک فی اللہ وتبغضنی فی اللہ قال نعم انک تسأل علی اذانک اجرا وروی عن ابن مسعود انہ قال اربع لا یوخذ علیھن اجرا لاذان وقراۃ القران والمقاسم والقضاء ذکرہ ابن سید الناس فی شرح الترمذی وروی ابن ابی شیبۃ عن الضحاک انہ کرہ ان یاخذ الموذن علی اذانہ جعلا ویقول ان اعطی بغیر مسئلۃ فلا باس وروی ایضا

عن معاوية بن قرة انه كان يقال لا يوذن لك الا محتسب (الى ان قال) وقال ابن العربي الصحيح جواز اخذ الاجرة على الاذان والصلوٰة والقضاء وجميع الاعمال الدينية فان الخليفة ياخذ على هذا كله وفى كل واحد منها ياخذ النائب اجرة كما ياخذ المستيب والاصل فى ذالك قوله صلى الله عليه وسلم ما تركت بعد نفقة نسائى ومؤنة عاملى فهو صدقة انتهى فقاس المؤذن على العامل وهو قياس فى مصادمة النص وفتيا ابن عمر التى مرت لم يخالفها احد من الصحابة كما صرح بذالك اليعمرى وقد عقد ابن حبان ترجمة على الرخصة فى ذالك واخرج عن ابى محذورة انه قال فالقى رسول الله صلى الله عليه وسلم الاذان فاذنت ثم اعطانى حين قضيت صرة فيها من فضة واخرجه ايضا النسائى۔ قال اليعمرى ولا دليل فيه لوجهين الاول۔ ان قصة ابى محذورة اول ما اسلم لانه اعطاه حين علمه الاذان وذالك قبل عثمان بن ابى العاص فحديث عثمان متاخر۔ الثانى انها واقعة يتطرق اليها الاحتمال واقرب الاحتمالات ان يكون من باب التاليف لحداثة عهده بالاسلام كما اعطى حينئذ غيره من المولفة قلوبهم ووقائع الاحوال اذا تطرق اليها الاحتمال سلبها الاستدلال لما يبقى فيها من الاجمال انتهى وانت خبير بان هذا الحديث لا يرد على من قال ان الاجرة انما تحرم اذا كانت مشروطة لا اذا اعطيها بغير مسئلة والجمع بين الحديثين بمثل هذا احسن۔

(نيل الاوطار جلد اول ص۳۵۷)

یعنی "اذان پر اجرت منع کی حدیث کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔ اور ابن المنذر نے کہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے عثمان ابن ابی العاص کو فرمایا۔ ایسا موذن مقرر کر جو اذان پر اجرت نہ لے۔ اور ابن حبان نے یحییٰ بکالی سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے ایک شخص کو ابن عمر رضی سے یہ کہتے سنا کہ میں آپ کو خدا کے لئے دوست رکھتا ہوں۔ ابن عمر رضی نے فرمایا میں خدا کے لئے تجھے برا جانتا ہوں۔ اُس شخص نے کہا سبحان اللہ! میں آپ کو خدا کے لئے دوست رکھتا ہوں اور آپ خدا

کے لئے بُرا جانتے ہیں۔ فرمایا۔ ہاں تو اذان پر اُجرت مانگتا ہے۔ اور ابن مسعود سے روایت ہے فرمایا چار اشیاء میں اُجرت درست نہیں۔ اذان۔ قراۃ القرآن۔ مالِ غنیمت وغیرہ کی تقسیم۔ قضا۔ ابن سید الناس نے شرح ترمذی میں اس کو ذکر کیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے ضحاک ؓ سے روایت کیا ہے کہ اذان پر مزدوری لینی بری ہے۔ اور کہتے تھے کہ بغیر سوال کے کچھ مل جائے تو کوئی ڈر نہیں۔ اور معاویہ بن قرہ سے روایت کیا ہے کہ ثواب کی نیت سے اذان دینے والا موذن مقرر کر دوسرا نہ کر۔ ابن العربی نے کہا صحیح یہ ہے کہ اذان، نماز، قضا اور دیگر تمام اعمال دینیہ پر اُجرت جائز ہے کیونکہ خلیفہ ان تمام پر اُجرت لیتا ہے۔ اور ان سے ہر ایک پر نائب بھی اُجرت لیتا ہے۔ جیسے نائب بنانے والا خلیفہ لیتا ہے۔ اور اصل دلیل اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ میں نے اپنی بیویوں کے نفقہ اور اپنے عاملوں کے خرچ کے بعد جو کچھ چھوڑا ہے وہ صدقہ ہے۔ ابن العربی نے موذن کو عامل پر قیاس کیا ہے۔ حالانکہ یہ قیاس نص کے مقابلہ میں ہے۔ اور ابن عمر کے فتویٰ کے بھی خلاف ہے۔ جو اوپر گذر چکا ہے۔ اس فتویٰ میں ابن عمرؓ کا صحابہ میں کوئی مخالف نہیں چنانچہ یعمری نے اس کی تصریح کی ہے (نیز یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ عامل تو اپنے عمل کے ساتھ کوئی دوسرا کام نہیں کر سکتا۔ برخلاف موذن کے۔ نیز موذن اگر اذان کے لئے نہ آئے تو نماز باجماعت کے لئے اس کو آنا پڑے گا تو دس منٹ پہلے آکر اذان بھی دے سکتا ہے۔ پس اُجرت لینے کے لئے کچھ معنی نہیں) اور ابن حبان نے اذان پر اُجرت لینے کے جواز میں باب باندھا ہے اور دلیل اس پر ابو محذورہؓ کی حدیث لاتے ہیں۔

ابو محذورہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اذان سکھائی۔ پس میں نے اذان کہی۔ جب میں نے اذان پوری کی تو آپ نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں کچھ چاندی تھی۔ اور اس حدیث کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ یعمری کہتے ہیں ابن حبان کا اس حدیث سے استدلال کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابو محذورہ رضہ کو تھیلی دینا عثمان بن ابی العاص کے مسلمان ہونے سے پہلے ہے پھر آپؐ نے منع کر دیا۔ نیز یہ ایک خاص واقعہ ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ تھیلی اذان کی اُجرت دی بلکہ قریب احتمال یہ ہے کہ جیسے اور نو مسلموں کو تالیف قلوب کے لئے دیا۔ اسی طرح ابو محذورہؓ کو بھی دیا کیونکہ یہ اس وقت نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ایسے خاص واقعات سے استدلال صحیح نہیں ہوتا۔ یعمری نے اتنا کہا ہے لیکن میں (شوکانی کہتا ہوں) عثمان ابن ابی العاص کی حدیث

اس شخص کی تردید نہیں کرتی جو کہتا ہے کہ اذان پر اُجرت مقرر کر کے لینی حرام ہے۔ اگر سوال کے بغیر کوئی دے دے تو جائز ہے۔ اسی صورت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو محذورہؓ کو تھیلی اذان پر دی ہو تو بھی عثمان بن ابی العاص کی حدیث سے کوئی مخالفت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ ابو محذورہؓ نے سوال نہیں کیا۔ اور یہ موافقت کی اچھی صورت ہے۔

جب اذان کی بابت اتنی تنگی ہے تو امامت تو ایک بڑا عمل ہے اس پر تنخواہ لینی یا کسی شے کا سوال کس طرح درست ہوگا۔ اسی طرح تراویح میں قرآن سنانے پر لینا یا کچھ سوال کرنا یہ بھی جائز نہیں ہو سکتا۔ آج کل حافظانِ قرآن اس بیماری میں بہت مبتلا ہیں۔ ماہِ رمضان جو خیر و برکت کا مہینہ ہے جس میں خدا کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ جو انسان کو گناہ سے اس طرح پاک کر دیتا ہے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ اس کو تھوڑے سے پیسوں کی طمع میں ضائع کر دیتے ہیں۔ اس کے ثواب سے محروم رہتے ہیں بلکہ وعید کے مستحق ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے اس ماہ کو اپنی آمد کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ اس کی خاطر دُور دراز سفر کرتے ہیں اور ایسی مسجدیں تلاش کرتے پھرتے ہیں جن میں زیادہ امداد کی اُمید ہو بلکہ بعض اسی طمع میں دو دو تین مسجدوں میں تراویح پڑھاتے ہیں۔ ایک مسجد میں جلدی جلدی پڑھا کر دوسری مسجد میں پہنچتے ہیں تاکہ دونوں مسجدوں والے امداد کریں اور پیسے اچھے بن جائیں۔ اناللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَعْنِيْ رِيْحَهَا۔ رواہ احمد و ابوداؤد و ابن ماجۃ

(مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ۲ ص ۳۵)

جو شخص علمِ دین صرف اس لئے حاصل کرتا ہے کہ اس کے ذریعے کسی دنیوی فائدے کو پہنچے تو اس کا جنت میں داخل ہونا تو کجا، وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔

دیکھئے کیسی سخت وعید ہے لیکن یہ لوگ پھر بھی پرواہ نہیں کرتے۔ نہ دینے والوں کو خیال آتا ہے کہ حافظوں کو دینا اور اُن کا قرآن سُننا اس سے فائدہ کیا؟ وقت بھی ضائع اور پیسے بھی برباد۔ اناللہ۔

قیام اللیل میں ہے۔ عبد اللہ بن معقل قاری نے رمضان میں لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب عید الفطر کا دن ہوا تو عبید اللہ بن زیاد نے ان کو پانسو درہم بھیجے۔ انہوں نے واپس کر دیئے اور فرمایا کہ ہم کتاب اللہ پر اُجرت نہیں لیتے اور مصعب نے عبد اللہ بن معقل بن مقرن کو رمضان میں جامع مسجد میں امامت کا حکم دیا۔ جب

چاند چڑھا تو پانسو درہم ان کی خدمت میں ارسال کئے۔ انہوں نے واپس کر دیئے اور کہا کہ میں قرآن پر اُجرت نہیں لیتا اور مالک بن دینار کہتے ہیں میں ایک شخص کے پاس سے گزرا جس کو میں پہچانتا تھا اور اس کے ساتھ سپاہی تھے اور اُس کو ہتھکڑی لگی تھی۔ لوگوں سے سوال کرتا تھا۔ میں نے کہا تجھے کیا ہوا ؟ کہا فلاں عامل نے مجھے تراویح پر مقرر کیا جب ماہِ رمضان ختم ہوا تو اُس نے میرے ساتھ سلوک کیا۔ جب وہ عامل معزول ہو گیا تو جو کچھ اُس نے دیا تھا۔ اُس کا ذکر اُس کے حساب کے رجسٹروں میں پایا گیا۔ اس کی وجہ سے گرفتار ہوں۔ اور اُس کو پورا کرنے کے لئے سوال کر رہا ہوں۔ مالک بن دینار کہتے ہیں تو گوشت میں چوری ہوئی روٹی (یعنی اعلیٰ کھانے) کھاتا رہا ہوگا۔ کہا ہاں! میں اُس عامل کے ساتھ گوشت میں چوری ہوئی روٹی کھاتا رہا ہوں۔ کہا اس سے اس مصیبت میں گرفتار ہوا ہے۔"

اور حسن بصریؒ سے سوال کیا گیا کہ اُجرت پر نماز پڑھانے کا کیا حکم ہے ؟ فرمایا نہ امام کی نماز ہوتی ہے نہ مقتدیوں کی۔ اور ابن مبارکؒ فرماتے ہیں۔ اُجرت پر نماز پڑھانے کو میں بُرا سمجھتا ہوں۔ اور اس بات کا ڈر ہے کہ ان (امام مقتدی سب) پر نماز کا لوٹانا واجب ہو۔ اور امام احمد سے سوال کیا گیا کہ ایک امام لوگوں کو کہے کہ میں اتنے درہموں پر تمہیں رمضان میں نماز پڑھاؤں گا تو اس کا کیا حکم ہے ؟ فرمایا ایسے امام سے خدا پناہ میں رکھے۔ اس کے پیچھے کون نماز پڑھے گا" (قیام اللیل باب الاجر علی الامامۃ فی رمضان صـ۱۳۳)

چونکہ اس بیماری میں زیادہ تر ہمارے حنفی بھائی مبتلا ہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس محل میں علماء دیوبند کا فتویٰ درج کریں شاید کسی کو خدا ہدایت کر دے تو ہمارا بھی بھلا ہو جائے۔

۲۹ شعبان المعظم ۱۳۵۱ھ میں دیوبند سے رمضان المبارک کے متعلق "مفید و معتبر مسائل" کے عنوان سے ایک اشتہار شائع ہوا تھا جس میں حنفی مذہب کے بہت سے مسائل تھے ان میں سے ایک یہ مسئلہ بھی تھا کہ روپیہ کی طمع میں یا اُجرت مقرر کر کے سنانے والے حفاظ کا کیا حکم ہے ؟

لکھا ہے :۔

"جو حافظ روپیہ کی طمع میں قرآن مجید سناتا ہے اُس سے وہ امام بہتر ہے جو الم ترکیف سے پڑھائے۔ اگر اُجرت مقرر کر کے قرآن مجید سنایا جائے تو نہ امام کو ثواب ہوگا نہ مقتدیوں کو۔ اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں سخت گناہ ہے۔" انتہیٰ

تنبیہ :۔ شرط کر کے یا مقرر کر کے لینا دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک یہ ہے کہ صراحۃً شرط کرے۔ دوم یہ کہ صراحۃً کچھ نہ کہے مگر نہ دینے کی صورت میں ناراض ہو جائے یا شکایت کرے گویا یہ ناراضگی یا شکایت ایسی ہے

جیسے پہلے کہہ دیا کہ میری کچھ خدمت کرنی ہوگی۔ یا ہیں آشنائوں کا، چنانچہ اکثر اعتکاف اور ماہِ رمضان میں حافظانِ قرآن کی یہی حالت ہے۔

اللھم اجعل اعمالنا کلھا صالحۃ واجعلھا لوجھک خالصۃ ولا تجعل لاحدٍ فیھا شیئاً۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ

اذان کے وقت السلام علیکم کا جواب

سوال:۔ اذان یا خطبہ کے وقت السلام علیکم کہنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ خطبہ میں السلام علیکم کہہ دے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اس کے جواب سے خطبہ کا سماع فوت نہیں ہوتا۔ پھر اشارہ سے بھی جواب ہو سکتا ہے۔ رہا اذان کے وقت السلام علیکم تو اس کے جواب میں بھی کوئی شبہ نہیں کیونکہ اذان کے جواب کا ذکر آیا ہے۔ اذان کے سماع میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ موذن کھینچ کر الفاظ کہتا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲ صفر ۱۳۵۶ھ - ۱۶ اپریل ۱۹۳۵ء

ترجیع اذان کونسی نمازوں کے ساتھ مخصوص ہے

سوال:۔ ترجیع اذان نماز کے کون کون سے وقتوں کے لئے ثابت ہے۔ اور ترجیع اذان ہو تو اقامت اکہری چاہیے یا دوسری؟ میاں محمد عالم ٹھیکیدار ع ۲۱ پونچھ روڈ لاہور

جواب:۔ ترجیع اذان حضرت ابو محذورہؓ کی حدیث ہے۔ جو ابوداؤد وغیرہ میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مکہ میں فتح مکہ کے بعد موذن مقرر کیا تھا۔ اور ان کو دوہری اذان سکھائی تھی۔ اور تکبیر بھی دوہری۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اکہری اذان مدینہ میں دیا کرتے تھے اور تکبیر اکہری کہتے تھے۔ اہل حدیث کے ہاں دونوں طرح کی اذان اور دونوں طرح کی تکبیر درست ہے۔ اور یہ بھی کوئی ضروری نہیں کہ اذان دوہری ہو تو تکبیر بھی دوہری ہو بلکہ اذان دوہری کے ساتھ تکبیر اکہری اور اذان اکہری کے ساتھ تکبیر دوہری جائز ہے۔ صرف حنفیہ یہ پابندی کرتے ہیں کہ اذان اکہری اور تکبیر دوہری ہونی چاہیے حالانکہ حدیث میں یہ پابندی نہیں آئی۔

عبداللہ امرتسری ماڈل ٹاؤن لاہور

اذان کے بعد دُعا کے لئے ہاتھ اٹھانا

سوال :۔ مولانا امرتسری ؒ سے کسی سائل نے دریافت کیا کہ اذان کے بعد دُعا ہاتھ اُٹھا کر مانگنی جائز ہے یا نہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت میاں صاحب مرحوم دہلوی نے دو ضعیف روایتوں کے اعتبار پر بعد از نماز ہاتھ اٹھا کر دُعا کو ناجائز لکھا ہے (اہل حدیث ۹ دسمبر ۱۹۳۲ء)

جواب :۔ محدث روپڑی ؒ نے مولانا امرتسری کے اس جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ دوسرے پرچہ میں فرماتے ہیں جواب ناقص رہ گیا۔ اس طرح اس دعا کو قیاس کر لیجئے ورنہ ہاتھ اٹھانے کا ثبوت میرے ناقص علم میں نہیں کہ اذان کے بعد کی دُعا کو نماز کے بعد کی دعا پر قیاس کرنا کس حکم اور علت کی بنا پر ہے نہ تو جائز کہا۔ اور نہ ناجائز کہا۔ بیچ ہی میں چھوڑ گئے۔ حالانکہ صرف یہ کہہ دینا ہی کافی تھا کہ اس کا ثبوت میرے علم میں نہیں یا عموم حدیث سے استدلال کر کے جواز کے قائل ہو جاتے کہ دعا ہاتھ اٹھا کر کی جائے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۱ ربیع الاول ۱۳۵۲ھ ۔ ۱۵ جولائی ۱۹۳۳ء

بے وضو اذان

سوال :۔ وضو کے بغیر اذان کہنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ بے وضو اذان اگرچہ منع نہیں مگر بہتر یہی ہے کہ اذان با وضو کہی جائے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۵ محرم ۱۳۶۹ھ

سترہ کا بیان

سترہ کی تعریف

سوال :۔ سترہ کسے کہتے ہیں۔ اس کی پوری تفصیل بیان فرمائیں۔

جواب :۔ سُترہ وہ شے ہے جو نمازی نماز کے وقت اپنے آگے کھڑی کرتا ہے تاکہ کسی کے آگے